Volume 03, Issue 02,
April-June 2025
PP: 01-11
Open Access on:
www.alimanjournal.com

AL-IMAN
Research Journal
P-ISSN: 3006-1261 E-ISSN: 3006-127X
https://doi.org/10.63283/IRJ.03.02/02

سورۃ الحجرات کے تناظر میں مؤثر ابلاغ کے اصول و آداب: ایک مطالعہ

A Study of the Effective Communication Principles and Ettiqutes in the Perspective of Surah Al-Ḥujurāt

Muhammad Asif [1] ***Dr. Muhammad Waqar*** [2]* ***Dr. Noman Naeem*** [3]

Article History

Received
21-03-2025

Accepted
11-04-2025

Published
12-04-2025

Indexing

WORLD of JOURNALS
ASIAN Research Index
Signatory of DORA
اشاریہ اردو جرائد
ACADEMIA
Google Scholar
EuroPub
REVIEWER CREDITS

Abstract

One of the most vital elements of human interaction is nonviolent communication, which fosters mutual understanding and contributes to social harmony. The Qur'ān offers profound guidance on ethical communication, particularly in Sūrat al-Ḥujurāt, where divine principles emphasize compassion, truthfulness, and respect in interpersonal discourse. This study explores the communication ethics outlined in Sūrat al-Ḥujurāt, focusing on their significance in cultivating morally grounded dialogue within both personal and societal contexts. The sūrah advises believers to verify information before dissemination, avoid ridicule and derogatory speech, and refrain from suspicion, gossip, and backbiting. It underscores the necessity of building trust and fraternity among individuals and promotes respectful dialogue, constructive engagement in foreign relations, and peaceful personal reconciliation. Moreover, Sūrat al-Ḥujurāt advocates for moderated and thoughtful speech as a means to preserve societal cohesion and resolve disputes through submission to divine wisdom.

These principles remain profoundly relevant in today's globalized world, offering a moral framework to counter hate speech, misinformation, and political polarization. By adhering to the communication ethics prescribed in Sūrat al-Ḥujurāt, individuals and communities can foster a culture rooted in honesty, tolerance, and mutual respect. This study contends that the Qur'anic model of communication is inherently designed to promote harmony and peace, serving as a timeless and comprehensive guide for ethical interaction in contemporary society.

Keywords:

Ethical Communication, Nonviolent Communication, Surah al-Ḥujurāt, Qur'anic Ethics, Social Harmony, Misinformation, Dialogue, Islamic Values, Moral Discourse, Conflict Resolution.

[1] *Research Scholar, NUML Karachi.*
[2] *Assistant Professor, NUML Karachi.* muhammadwaqar167@gmail.com. ***Corresponding Author**
[3] *President Jamia Binoria Al Aalamiya, Karachi.*

All Rights Reserved © 2023 This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

HIRA INSTITUTE of Social Sciences Research & Development
ROAD Directory of Open Access Scholarly Resources
OPEN ACCESS

تعارف:

انسانی فطرت میں جبلی طور پر خصوصیت رکھ دی گئی ہے کہ وہ اپنے خیالات و جذبات کو دوسروں تک پہنچانے اور دوسروں کے احوال سے باخبر رہنے کی خواہش رکھتا ہے۔ چنانچہ نوع انسانی کی تاریخ میں "ابلاغ "یعنی دوسروں کو اپنے مدعا، افکار، خیالات و تصورات ڈھنگ سے پہنچانا ایک مسلسل عمل رہا ہے۔ یہ وہ مہارت ہے جو کسی فرد کی شخصیت، تعلقات اور پیشہ ورانہ زندگی کی بنیاد ہے۔ ابلاغ کیلئے انگلش میں لفظ communication استعمال ہوتا ہے جو کہ لاطینی زبان کے لفظ Communis سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں "باہم یا مشترک "۔ جب ہم کسی جذبے، خیال، معلومات یا محسوسات کو دوسرے تک بھیجتے ہیں تو اسے مشترک کرتے ہیں گویا اس میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں، لہٰذا خیالات ، تجربات و محسوسات میں دوسروں کو شریک کرنے کا عمل ابلاغ یا ترسیل کہلاتا ہے۔[1] عربی زبان میں "ابلاغ "کا مادہ "ب ل غ "ہے، جس کا مفہوم کسی بات کو پوری طرح پہنچانا، واضح کرنا اور مکمل طور پر مخاطب تک منتقل کرنا ہے۔ صاحب منجد نے ابلاغ کا معنی "پہنچانا" بیان کیا ہے۔[2] محققین نے ابلاغ کی متعدد انداز سے تعریف ذکر کی ہیں۔ انسانی ابلاغ کی جامع تعریف انسائیکلوپیڈیا امریکانہ نے ابلاغ کی تعریف یوں کی ہے کہ "ابلاغ واقعات کی ایسی مربوط زنجیر ہے جس کی اہم کڑی ایک پیغام ہوتا ہے۔ یہ زنجیر ایک منبع سے نکل کر مخصوص منزل تک جاتی ہے اور پیغام کی تشریح کرتا ہے۔ یہ سارا عمل کسی پیغام کی تیاری، ترسیل اور وصولی پر مشتمل ہوتا ہے۔ وسیع انسانی ابلاغ کے نقطہ نظر سے ابلاغ درحقیقت انسانی تصورات کو وسعت دیتا ہے۔ یہ تصورات عمل تحقیق، تسلسل خیالات اور ایسے پیغامات کو سمجھنا ہے جو یہ بتاتے ہیں کہ انسانی سوچ کے حوالے سے کیا ہے اور کتنا اہم ہے، کیا درست ہے؟ متعلقہ ہے یا کچھ اور ہے۔"[3] ڈاکٹر محمد شاہد حسین ابلاغ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ترسیل اطلاعات، خیالات اور معلومات کو ایک انسان سے دوسرے انسان تک پہنچانے کا فن ہے۔[4] علامہ راغب اصفہانی "المفردات في غريب القرآن "[5] میں لکھتے ہیں:

البلوغ والبلاغ الانتهاء الى اقصى المقصد

بلوغ اور ابلاغ کا مطلب کسی بات یا چیز کو اپنے مقررہ مقصد اور انجام تک پہنچانا ہے

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ابلاغ کے اصول وآداب

قرآن مجید اسلامی تعلیمات کا مرکز و محور ہے اور اُن تمام اخلاقی اور عملی اصولوں کا سرچشمہ ہے جو کامیاب اور باوقار زندگی کے لیے ناگزیر ہیں۔ آج کے دور میں، جب دنیا تیزی سے گلوبلائزیشن کی طرف بڑھ رہی ہے اور لوگ مختلف تہذیبوں، قوموں اور زبانوں سے جڑ رہے ہیں۔ ابلاغ کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چکی ہے۔ مؤثر گفتگو اور رابطہ نہ صرف فرد کی ذاتی کامیابی کے لیے اہم ہے بلکہ سماج کی تعمیر اور اتحاد کے لیے بھی ناگزیر ہے۔ گلوبلائزیشن اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے دنیا کو قریب کر دیا ہے، مگر اس کے ساتھ چیلنجز بھی پیدا کیے ہیں، مثلاً غلط فہمیوں کا پھیلاؤ، فیک نیوز کی تیزی، عزت اور رواداری کا فقدان وغیرہ۔ ان چیلنجز سے نمٹنے کے لیے مؤثر کمیونیکیشن کے اصولوں کو اپنانا ضروری ہے۔ ان چیلنجز کے حل کے لیے ایک جامع رہنمائی کی ضرورت ہے۔ سورۃ الحجرات معاشرتی زندگی کے اہم اصول اور آداب سکھاتی ہے جو ایک مثالی اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھتے ہیں۔ یہ سورت ایمان، اخلاقیات اور کمیونیکیشن اور باہمی تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے نہایت جامع اور گہری رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ یہ سورت ان سماجی اصولوں کی طرف توجہ دلاتی ہے جو مسلمانوں کے باہمی تعلقات اور روابط کو مضبوط کرتے ہیں اور ان کی گفتگو کو عدل و انصاف، احترام اور حکمت کے دائرے میں رکھتے ہیں۔ اس سورۃ میں موجود آیات ہمیں نہ صرف مثبت انداز میں بات چیت کرنے کا درس دیتی ہیں بلکہ غلط فہمیوں کو دور کرنے، دوسروں کی عزت کرنے اور امن و بھائی چارے کو فروغ دینے کے سنہری اصول بھی سکھاتی ہیں۔ اس مطالعہ میں سورۂ حجرات کی روشنی میں ابلاغ کے چند اہم اصول کا جائزہ پیش کیا گیا ہے جن سے رہنمائی لے کر ہر فرد مؤثر کمیونیکیشن کو یقینی بنا سکتا ہے اور ایک خوشگوار معاشرہ تشکیل دینے میں کلیدی کردار ادا کر سکتا ہے۔

1. تحقیق و تصدیق

اسلامی نظریہ ابلاغ کا ایک اصول یہ ہے کہ اس میں خبر کا ذریعہ، اس کی پختگی، چھان بین اور تحقیق و تفتیش کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ تحقیق و تصدیق کے بغیر معلومات کا تبادلہ غلط فہمیوں اور نقصان دہ نتائج کا سبب بن سکتا ہے۔ اس لیے کسی بھی خبر یا بات کو قبول کرنے سے پہلے اس کی سچائی کو پرکھنا چاہیے۔ یہ اصول نہ صرف انفرادی سطح پر بلکہ اجتماعی اور معاشرتی معاملات میں بھی امن و ہم آہنگی پیدا کرتا ہے، خاص کر جدید دور میں، جب غلط معلومات اور افواہوں کا پھیلاؤ ایک عام مسئلہ بن چکا ہے، قرآن مجید کی یہ رہنمائی پہلے سے کہیں زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ [6]

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی قوم کو بے جا ایذا نہ دے بیٹھو پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔

نبی کریم ﷺ کے دور میں ایک شخص نے جھوٹا دعویٰ کیا کہ بنو مصطلق کے لوگ زکوٰۃ دینے سے انکاری ہیں۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹ تھی اور اگر تحقیق نہ کی جاتی تو ناحق جنگ کا خطرہ تھا۔

امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ حکم اس بات کی دلیل ہے کہ ایسی باتوں کو قبول کرنا جو ممکنہ طور پر جھوٹی ہو سکتی ہیں، ایسے عمل کا سبب بن سکتا ہے جس پر بعد میں پشیمانی ہو۔[7]

یہ آیت اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ ہر بات کی تحقیق اور تصدیق لازمی ہے۔ بغیر تحقیق کے کسی بات کو قبول کرنا نہ صرف غلط فہمیوں کا باعث بنتا ہے بلکہ بڑے نقصانات کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ مثال کے طور پر جھوٹی اور غیر مصدقہ باتیں معاشرے میں افواہوں اور غلط فہمیوں کو جنم دے کر فساد پیدا کرنے کا سبب بنتی ہیں، اس کی واضح مثال یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ نے مسلمانوں کو مشرکین مکہ کے ساتھ جنگ کرنے کے قریب کر دیا تھا۔ اسی طرح کسی شخص کے بارے میں جھوٹی بات پھیلانا اُس کی عزت اور ساکھ کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے غیبت اور تہمت کو اسلامی تعلیمات کے خلاف قرار دیا گیا ہے کیونکہ ایسی باتوں کے ذریعے لوگوں کے جذبات اور حقوق کو ٹھیس پہنچائی جا سکتی ہے۔ جدید دور میں جھوٹی باتوں کا پھیلاؤ قانونی مسائل کو بھی جنم دیتا ہے۔ سوشل میڈیا پر بغیر تحقیق کے بات کرنے والے افراد کو بعض اوقات قانونی کارروائی کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح غلط کمیونیکیشن عوام میں خوف و ہراس پیدا کر سکتی ہے۔ مثلاً قدرتی آفات یا وبا کے دوران غیر مصدقہ باتیں معاشرے میں افراتفری کا باعث بنتی ہیں۔ جیسے: کووڈ-19 کے دوران جھوٹی باتوں نے عوام میں خوف پیدا کیا۔ ویکسین کے خلاف غیر مصدقہ اطلاعات نے بہت سے لوگوں کی صحت کو خطرے میں ڈال دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں اکثر جھگڑے اور دنگا و فساد جھوٹ پر مبنی خبروں پر بغیر تفتیش و تحقیق اعتبار کر لینے کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔ ڈیجیٹل میڈیا پر جھوٹی خبریں اور افواہیں پھیلانا عام ہو چکا ہے۔ چنانچہ غلط خبر کو عام کرنے پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ سورۂ حجرات کی تعلیم ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ ایسی خبروں کو بغیر تصدیق آگے نہ بڑھایا جائے اور اپنی ابلاغ کو تحقیق کی بنیاد پر پرکھیں۔ اس ضمن میں آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِباً أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ ما سمع [8]

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ جو سنے اسے بیان کر دے۔

2. بدگمانی سے اجتناب

بدگمانی مؤثر ابلاغ کیلئے بہت بڑی رکاوٹ ہوتی ہے۔ ہم اپنے ذہن میں کسی بندے کے بارے میں کوئی رائے اختیار کرتے ہیں اور پھر اسی رائے کے مطابق بولتے چلے جاتے ہیں حالانکہ بدگمانی ایک ایسی اخلاقی بیماری ہے جو انسانی معاشرے میں محبت اور ہم آہنگی کو ختم کر کے نفرت اور اختلافات کو جنم دیتی ہے۔ یہ انسانی تعلقات میں زہر کی طرح کام کرتی ہے اور رشتوں میں دراڑیں ڈال دیتی ہے۔ بدگمانی نہ صرف فرد کی اپنی شخصیت کو نقصان پہنچاتی ہے بلکہ اس کے ارد گرد کے ماحول پر بھی گہرے منفی اثرات مرتب کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورت حجرات میں بدگمانی سے اجتناب کرنے کی سخت تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ[9]

اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو بیشک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے۔

یہ آیت ایک ہی وقت میں دو طرح سے ہماری کمیونیکیشن کی تربیت کرتی ہے۔ ایک یہ کہ بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی نہ صرف گناہ ہے بلکہ افراد اور معاشروں کے لیے خطرناک نتائج کا باعث بھی بن سکتی ہے۔ بدگمانی کرنے والا شخص عموماً دوسروں کے اعمال یا ارادوں کے بارے میں منفی رائے قائم کرلیتا ہے، حالانکہ ان کے بارے میں حقیقت کا علم نہیں ہوتا۔ یہ منفی سوچ انسان کو دوسرے انسانوں کے ساتھ غیر ضروری اختلافات اور دشمنیوں میں مبتلا کر دیتی ہے، جو بعد میں بڑھ کر بڑی رکاوٹوں کا سبب بنتی ہیں اور دوسری تربیت یہ ہے کہ ہم اپنی گفتگو میں نیک گمان بنیں کیونکہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ کچھ ایسے گمان بھی ہیں جو گناہ نہیں ہوتے اور وہ خیر والے گمان ہیں۔ اس جملے کے تحت امام طبری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

وقال جلّ ثناؤه:(اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ) ولم يقل: الظنّ كله، إذ كان قد أذن للمؤمنين أن يظن بعضهم ببعض الخير، فقال: (لَوْلا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُبِينٌ) فأذن الله جلّ ثناؤه للمؤمنين أن يظنّ بعضهم ببعض الخير وأن يقولوه، وإن لم يكونوا من قيله فيهم على يقين[10]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بہت سے گمانوں سے بچو۔ یہ نہیں فرمایا کہ سب گمانوں سے بچو کیونکہ مؤمنین کو اجازت ہے کہ وہ ایک دوسرے کے بارے میں نیک گمان رکھیں۔ چنانچہ (سورت نور میں) فرمایا کہ ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جب تم نے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کو) سنا تو ایمان والے مرد اور عورتیں اپنے (ایمان والے) لوگوں کے ساتھ خیر کا گمان کرتے اور کہتے کہ یہ تو واضح جھوٹ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو ایک دوسرے کے ساتھ اچھے گمان کی اجازت دی ہے اور اُس گمان کو کہنے کی بھی اجازت دی اگرچہ جس کے بارے میں بات کی جارہی ہے، اُس کے بارے میں یقین نہ ہو۔

بدگمانی کو ابلاغی مہارت کے حوالے سے سمجھنا بہت ضروری ہے کیونکہ انسانی تعلقات اور روابط میں گفتگو اور بات چیت بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ بدگمانی ایک ایسا رویہ ہے جو کمیونیکیشن کے عمل میں بہت سی رکاوٹیں پیدا کرتا ہے اور تعلقات کو نقصان پہنچاتا ہے۔ جب ہم دوسروں کے بارے میں بدگمانی کرتے ہیں تو ہم غیر محسوس طریقے سے ان کے الفاظ اور اعمال کو منفی انداز میں دیکھنے لگتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بات چیت میں صاف گوئی اور کھلاپن ختم ہو جاتا ہے۔ بدگمانی کرنے والا شخص اکثر دوسروں کی باتوں کا غلط مطلب نکالتا ہے اور ان کے ارادوں کو شک کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ گفتگو کا مقصد، جو کہ مسائل کو حل کرنا یا تعلقات کو مضبوط بنانا ہے، پورا نہیں ہو پاتا۔

مثبت ابلاغ کا تقاضا یہ ہے کہ ہم دوسروں کے جذبات اور خیالات کا احترام کریں اور ان کے الفاظ کو ان کے اصل معنی میں سمجھیں۔ بدگمانی اس عمل کو متاثر کرتی ہے اور غیر ضروری تنازعات اور غلط فہمیوں کو جنم دیتی ہے۔ مثال کے طور پر، اگر کسی کے الفاظ ہمیں غیر واضح لگیں، تو ہمیں وضاحت طلب کرنی چاہیے، نہ کہ خود سے منفی نتیجہ اخذ کریں۔ کمیونیکیشن کے عمل میں بدگمانی سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم دوسروں کے ارادوں اور الفاظ کو اچھے گمان کے ساتھ سنیں۔ اگر کوئی بات سمجھ نہ آئے تو سوال کریں اور مزید معلومات حاصل کریں۔ دوسروں کی بات کو توجہ سے سنیں تاکہ اصل مفہوم کو سمجھ سکیں۔ بدگمانی کے جذبات کو قابو میں رکھیں اور بات چیت کے دوران اپنی توجہ مسئلے کے حل پر مرکوز رکھیں۔

3. عزت و احترام

اسلامی تعلیمات میں عزت و احترام کو معاشرتی تعلقات اور کمیونیکیشن کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید اور سنتِ رسول ﷺ بارہا انسانوں کو اس بات کی ترغیب دیتے ہیں کہ وہ اپنے رویوں اور کمیونیکیشن میں دوسروں کی عزت کو مقدم رکھیں اور ان کی تحقیر سے اجتناب کریں۔ سورۃ الحجرات میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مذاق اور تمسخر سے منع فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ[11]

اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں پر نہ ہنسیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان ہنسنے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں پر ہنسیں، ہو سکتا ہے کہ وہ ان ہنسنے والیوں سے بہتر ہوں۔

اس آیت کا مرکزی پیغام انسانی برابری اور تقویٰ کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے۔ یہ ہمیں سکھاتی ہے کہ کسی کو اس کے ظاہری حالات جیسے مال و دولت، عہدے، یا جسمانی بدصورتی کی بنیاد پر حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ دنیاوی معیار کے برعکس، اللہ کے مقرر کردہ ترازو میں انسان کے دل کی پاکیزگی اور تقویٰ کو تولا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کی ظاہری حالت یا کمزوریوں کی بنیاد پر اس کا مذاق اڑاتا ہے تو یہ اخلاقی گراوٹ کا شکار ہے اور یہ گراوٹ خود اُس انسان کی اپنی شخصیت پر بھی منفی اثر ڈالتی ہے۔ آج کل کے معاشرتی ماحول میں، خصوصاً تعلیمی اداروں اور دفاتر میں عزت و احترام کی ضرورت پہلے سے زیادہ محسوس کی جارہی ہے۔ بدقسمتی سے، طنز و مذاق کا رجحان نہ صرف افراد کے جذبات کو مجروح کرتا ہے بلکہ کام کے ماحول کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ تمسخر کرنے یا مذاق اڑانے کے معنی ہیں کہ اہانت و تحقیر کے ارادے سے کسی کے حقیقی یا مفروضہ عیب اس طرح بیان کرنا کہ سننے والے کو ہنسی آئے۔[12]

تعلیمی اداروں میں ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ کچھ اساتذہ اپنے طلبہ کا کلاس روم میں مذاق اُڑاتے ہیں جیسے طلبہ سے کوئی سوال پوچھا اور جب کسی طالب علم نے ناقص جواب دیا تو اس پر ہنسنا، یا اُس کو کوڑھ مغز کہنا، یا کسی طالب علم کی شکل و صورت پر جملے کسنا وغیرہ۔ اس سے استاد اور طالب علم کے درمیان نفرت اور دشمنی جنم لیتی ہے اور انسان اصل خیال سے ہٹ کر بحث کو مکالمے سے جدال کی طرف لے جاتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی استاد کسی طالب علم کا مذاق اڑاتا ہے تو پھر بعد میں دوسرے طلبہ بھی اپنے ساتھی کا مذاق اڑاتے ہیں اور یہ عمل استاد کے لیے بھی نقصان دہ ہے کیونکہ یہ استاد اور طلبہ کے تعلقات کو زہر آلود کر دیتا ہے، نتیجتاً استاد طلبہ کی محبت کھو دیتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں امام طبریؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ کسی مؤمن کو دوسرے مؤمن کا مذاق اڑانے کی اجازت نہیں، نہ غربت کی بنیاد پر، نہ کسی گناہ کی وجہ سے اور نہ کسی اور بات پر۔[13]

عزت واحترام کسی بھی معاشرتی ابلاغ کی بنیاد ہے اور ان کے بغیر ایک متوازن اور خوشگوار ماحول کا قیام ممکن نہیں۔ ہمیں اپنی ابلاغی مہارت کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنا ہوگا تاکہ ہم نہ صرف ایک کامیاب انسان بن سکیں بلکہ ایک کامیاب اور مؤثر مبلغ بھی بن سکیں۔

4. طعنہ زنی سے اجتناب

سورت حجرات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ[14]

آپس میں کسی کو طعنہ نہ دو۔

یہ ایک نہایت جامع اور اہم ہدایت ہے جو معاشرتی تعلقات اور گفتگو کے آداب میں گہرے اثرات رکھتی ہے کیونکہ لمز کا مطلب ہے کسی کے عیب کو اُس کے منہ پر بیان کرنا جسے دوسرا شخص ناپسند کرتا ہے۔ یہ عمل بدتمیزی اور اخلاقی پستی کی نشاندہی کرتا ہے کیونکہ اگر یہ بات حق پر مبنی ہو تو یہ دوسروں پر حملہ کرنے کے مترادف ہے، کیونکہ کسی کے عیب کو اس کے منہ پر ظاہر کرنا اخلاقاً قابلِ مذمت ہے اور اگر یہ بات جھوٹ پر مبنی ہو تو بدتمیزی کے ساتھ ساتھ جھوٹ بھی ہے، جسے شریعت میں سختی سے منع کیا گیا ہے۔ ابن عاشور اس جملے کی تشریح میں لکھتے ہیں:

وكان شائعاً بين العرب في جاهليتهم قال تعالى : (ويل لكلِّ هُمَزة لُمَزة ((الهمزة : 1) يعني نفراً من المشركين كان دأبهم لَمز رسول الله (صلى الله عليه وسلم) ويكون بحالة بين الإشارة والكلام بتحريك الشفتين بكلام خفيّ يعرِف منه المواجه به أنه يذمّ أو يتوعد ، أو يتنقص باحتمالات كثيرة ، وهو غير النبز وغير الغِيبة[15]

یہ (لمز) جاہلیت کے زمانے میں عربوں کے درمیان عام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ويل لكل همزة لمزة" (الہمزہ: 1) اس سے مراد مشرکین کا وہ گروہ ہے جن کی عادت ہی یہ تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر عیب لگاتے تھے۔ لمز کا یہ عمل اشارے اور کلام کے ساتھ ہوتا ہے یعنی ہونٹوں کو حرکت دے کر اس طرح خفیہ بات کرنا کہ جس سے مخاطب سمجھ جائے کہ مجھے برا بھلا کہا جا رہا ہے، دھمکی دی جا رہی ہے یا کسی طور پر حقیر سمجھا جا رہا ہے۔ اس کے کئی احتمالات ہوتے ہیں اور یہ "نبز" (برا لقب دینا) اور "غیبت" (پیٹھ پیچھے بات کرنا) سے مختلف ہے۔

معلوم ہوا کہ لمز ایک ناپسندیدہ عمل ہے، چاہے وہ حق پر مبنی ہو یا جھوٹ پر۔ یہ دوسروں کے دلوں کو توڑتا ہے اور معاشرتی تعلقات کو خراب کرتا ہے۔

اردو میں ہم اس کا معنیٰ "طعنہ زنی" کر سکتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی کو طعنہ نہ دو یا کسی کی توہین نہ کرو۔ ابن کثیرؒ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، سعید ابن جبیر، قتادہ، مجاہد اور مقاتل رحمہم اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ لمز سے مراد طعنہ زنی ہے۔[16]

طعنہ زنی ایسا رویہ ہے جو نہ صرف دوسرے شخص کے لیے تکلیف دہ ہوتا ہے بلکہ معاشرتی ہم آہنگی کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ ابلاغی مہارت میں اس تعلیم کی بڑی اہمیت ہے، کیونکہ مؤثر گفتگو کا انحصار عزت واحترام، مثبت رویے اور حساسیت پر ہوتا ہے۔

ابلاغی مہارت میں ایک اہم اصول یہ ہے کہ ہم دوسروں کو عزت دیں۔ جب ہم کسی پر طعنہ زنی یا توہین کرتے ہیں تو درحقیقت اس کے جذبات اور عزت نفس کو مجروح کرتے ہیں۔ اس سے گفتگو کا ماحول خراب ہو جاتا ہے اور بات چیت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ عزت اور احترام کے بغیر کوئی بھی گفتگو مثبت نتیجہ نہیں دے سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہم بات چیت کے دوران ایسے الفاظ یا انداز سے پرہیز کریں جو دوسروں کے لیے تکلیف دہ ہو۔

طعنہ زنی ایک ایسا منفی رویہ ہے جو ابلاغ کے عمل میں رکاوٹ ڈال دیتا ہے۔ جب ہم دوسروں کو ان کی خامیوں پر طعنہ دیتے ہیں یا ان کی باتوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں، تو وہ اپنے خیالات اور جذبات کو کھل کر بیان کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ اس لیے مؤثر ابلاغ کے لیے ضروری ہے کہ ہم دوسروں کے جذبات کی قدر کریں اور ان کے خیالات کو احترام سے سنیں۔

ابلاغی مہارت میں حساسیت اور ہمدردی کی بڑی اہمیت ہے۔ دوسروں کے جذبات کو سمجھنا اور ان کا احترام کرنا ایک کامیاب گفتگو کی علامت ہے۔ طعن و تشنیع کے ذریعے ہم نہ صرف دوسروں کے جذبات کو مجروح کرتے ہیں بلکہ ان کے دل میں ہمارے لیے منفی خیالات بھی پیدا کرتے ہیں۔ اس وقت ہمیں اپنے دفاتر، تعلیمی اداروں اور گھریلو ماحول میں اس آیت کی رہنمائی پر عمل کر کے بہتر ابلاغی مہارت کی طرف جانا چاہیے اور کسی بھی انسان کی کسی طرح بھی توہین نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی کسی کو اُس کے منہ پر سب کے سامنے شرمندہ کرنا چاہیے۔

5. بُرے القاب سے اجتناب

سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ[17]

اور ایک دوسرے کے بُرے نام نہ رکھو۔

اس آیت میں ''تنابزوا'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: کسی شخص کو کوئی لقب دینا، وہ لقب اچھا ہو یا برا، لیکن عرب میں یہ لفظ برے لقب دینے کے ساتھ مخصوص ہو گیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی برے کام کو چھوڑ کر اس سے توبہ کر چکا ہو اور حق کی طرف رجوع کر چکا ہو، اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے پچھلے کاموں پر عار دلانے سے منع فرمایا۔[18]

یہ آیت ہمیں اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ ایک دوسرے کو برے یا توہین آمیز القاب سے نہ پکاریں۔ مؤمن کا مؤمن پر یہ حق ہے کہ وہ اسے اس نام سے نہ پکارے جسے وہ پسند نہ کرے یا اسے ہتک سمجھے۔ مؤمنین کے آداب میں یہ شامل ہے کہ وہ دوسرے مؤمنین کو ایسے ناموں سے نہ پکاریں۔ نبی کریم ﷺ نے جاہلیت کے زمانے کے کئی ناموں اور القاب کو بدل دیا تھا۔ یہ آیت ہمیں دوسروں کو برے القاب سے پکارنے سے اس لیے منع کرتی ہے، کیونکہ لوگ ان ناموں کو پسند نہیں کرتے جن کے معنی خراب ہوں یا جن سے مذمت نکلتی ہو۔ حضور ﷺ نے بھی جو نام بدلے، وہ اسی وجہ سے تھے کیونکہ آپ ﷺ کے پاس لوگوں کا احساس تھا اور آپ ﷺ مہربان دل رکھتے تھے۔

ماہرین ابلاغیات کا خیال ہے کہ ابلاغ کی بنیاد ہمدردی اور گہرے احساس پر ہے جس کو ہم Empathy کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اندر دوسرے لوگوں کے بارے میں ایک ایسا احساس پیدا ہو جائے جس کے ذریعے دوسروں کے درد کو سمجھنے لگ جائیں، دوسروں کے جذبات، خیالات اور نظریات (Perspectives) کی قدر کریں۔ ہماری طبیعت میں اتنی رحمت اور شفقت ہو کہ کسی کے دل کو کسی بھی طریقے سے نہ دُکھائیں۔ دوسرے کو بولنے کی ضرورت ہی نہ پڑے، ہم خود ہی سمجھ جائیں کہ اگلا انسان کرب کی کس کیفیت سے گزر رہا ہے؟ اسی طرح دوسرے کے ساتھ معاملات کرتے وقت اپنے آپ کو اس کی جگہ پر رکھ کر دیکھیں۔ بعض نے Empathy کی تعریف میں کہا کہ:

Putting oneself in someone else's shoes

یعنی اپنے آپ کو دوسرے کی جگہ پر رکھ کر سوچنا اور درد محسوس کرنا ہمدردی کہلاتا ہے۔

جو لوگ empathetic ہوتے ہیں، ان سے بات کر کے لوگ سکون محسوس کرتے ہیں، ان کی بات کا اپنا ایک اثر ہوتا ہے اور یہی چیز ان کی ترقی کا سبب بنتی ہے کیونکہ وہ کسی کی دل آزاری نہیں کرتے۔ جودی کلرک لکھتے ہیں کہ ہمدردی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک کو Cognitive اور دوسری کو Affective کہا جاتا ہے۔ Cognitive کا مطلب یہ ہے کہ کسی دوسرے انسان کے پوائنٹ آف ویو،

ضروریات اور جذبات کو عقلی لیول پر سمجھنا جیسے جب ہم بیماری یا پریشانی کی حالت میں ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں تو وہ ہماری حالت دیکھ کر ہمدردی دکھاتے ہوئے علاج تجویز کرتا ہے لیکن خود ڈاکٹر ہماری اُس کیفیت کو اتنا محسوس نہیں کرتا جتنا ہم کر رہے ہوتے ہیں کہ وہ پریشان ہو جائے کیونکہ اس کا روز کا کام ہے۔ اس لیے اس نے عقلی طور پر ہماری پریشانی کو سمجھا اور خود پریشان ہوئے بغیر علاج تجویز کر دیا۔ جبکہ Affective کا مطلب یہ ہے کہ اگلا انسان خود اس کیفیت میں چلا جائے اور یہ محسوس کرے کہ یہ درد مجھے ہو رہا ہے، اس کی آنکھوں سے آنسو آجائیں۔ جیسے ویڈیو میں کسی مظلوم کردار کو دیکھتے ہوئے بسا اوقات ہم اُس درد اور ظلم کو محسوس کرنے لگ جاتے ہیں جو مظلوم کے ساتھ ہو رہا ہوتا ہے اور ہماری آنکھیں تر ہو جاتی ہیں۔[19]

جب ہم دوسروں کو برا یا توہین آمیز لقب دیتے ہیں تو اس سے ان کے دل میں ہمارے بارے میں منفی جذبات پیدا ہوتے ہیں اور وہ ہماری باتوں کو سننے یا اس پر غور کرنے کے لیے تیار نہیں رہتے۔ نتیجتاً بات چیت کا عمل معطل ہو جاتا ہے اور ہمیں اپنے پیغام کو مؤثر طریقے سے پہنچانے کا موقع نہیں ملتا۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری باتوں کو سنا جائے اور ہمارے خیالات کو اہمیت دی جائے تو ضروری ہے کہ ہم دوسروں کے ساتھ بات چیت میں احترام کا مظاہرہ کریں۔ جب ہم قرآن کی اس ہدایت کو اپنی زندگی میں اپنا لیتے ہیں تو ہم ایک اہم قدم اُٹھاتے ہیں جو ہماری بات چیت کو بہتر بناتا ہے اور معاشرتی تعلقات کو مضبوط کرتا ہے۔ عزت واحترام کی بنیاد پر بات چیت کا عمل نہ صرف ہماری ذاتی زندگی میں سکون لاتا ہے بلکہ معاشرتی سطح پر بھی امن اور ہم آہنگی کو فروغ دیتا ہے۔ اس سے لوگوں کے درمیان اعتماد کی فضاء پیدا ہوتی ہے اور بات چیت کے دوران اختلافات کے باوجود بھی احترام برقرار رہتا ہے۔ اس طرح ہم ایک مضبوط اور مثبت سماجی رشتہ بنا سکتے ہیں جو نہ صرف بات چیت کو مؤثر بناتا ہے بلکہ معاشرتی ترقی میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

6. تجسس سے اجتناب

سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَجَسَّسُوا[20]

اور کسی کی ٹوہ میں نہ لگو۔

امام ابن جریر طبری نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

أي: ولا يتَّبِع بعضُكم عورةَ بعضٍ، ولا يبحَث عن سرائِرِه يبتغِي بذلك الظهورَ على عُيوبِه، ولكن اقنَعوا بما ظهرَ لكم من أمره[21]

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کے عیب تلاش نہ کریں اور نہ ہی رازوں کو ڈھونڈیں جن کے ذریعہ عیب ظاہر ہو جائیں، بلکہ لوگوں کے ظاہری قول و عمل کا ہی اعتبار کریں۔

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ تجسس سے اس لیے منع کیا گیا ہے کیونکہ پچھلے جملے میں ظن سے منع کیا گیا۔ جسے سن کر کوئی شخص کہہ سکتا تھا کہ میں فلاں کو مکمل طور پر جانتا ہوں، مجھے فلاں کے بارے میں یقین کے درجے میں معلوم ہے کہ وہ ان ان گناہوں میں مبتلا ہے کیونکہ میں اس کی تنہائیوں یا عیبوں کو جانتا ہوں۔ تو اس جملے میں تجسس سے بھی منع کر دیا گیا کہ کسی کے راز ڈھونڈنے کی کوشش ہی نہ کرو تاکہ تمہیں کسی کے برے ہونے کا یقین نہ ہو اور بدگمانی سے تو ویسے ہی منع کر دیا گیا ہے۔[22]

ابلاغ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کی پوشیدہ باتوں کی کھوج نہیں کرنی چاہیے۔ یہ ہدایت ہمیں اس بات کی تعلیم دیتی ہے کہ دوسرے افراد کی نجی زندگی میں مداخلت کرنا اور ان کی معلومات کو غیر ضروری طور پر جاننے کی کوشش کرنا ہمارے اخلاقی اصولوں کے

منافی ہے۔ تجسس کی عادت انسان کے اندر بدگمانی، بے اعتمادی اور تعلقات میں دراڑ پیدا کرتی ہے، جو کہ مؤثر اور صحت مند کمیونیکیشن کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔

ابلاغی مہارت میں تجسس نہ کرنا ایک اہم پہلو ہے کیونکہ یہ ہمیں دوسروں کی پرائیویسی کا احترام سکھاتا ہے۔ جب ہم دوسروں کی نجی زندگی میں دخل اندازی کرتے ہیں تو اس سے نہ صرف ان کی عزت نفس مجروح ہوتی ہے بلکہ ہماری اپنی ساکھ بھی متاثر ہوتی ہے۔ اگر ہم کسی کے بارے میں ایسا تجسس کرتے ہیں جس کا کوئی جواز نہیں ہوتا تو اس سے ہماری بات چیت کی فطرت بدلے گی اور ہم اعتماد کے بجائے شک و شبہ کی بنیاد پر بات کریں گے۔ ابلاغ میں تجسس کی عادت کے نقصان کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ بات چیت کی نوعیت کو بدل کر اسے محض سوال و جواب کا عمل بنا دیتا ہے۔ اس سے گفتگو کا اصل مقصد، جو کہ معلومات کا تبادلہ اور سمجھنا ہوتا ہے، متاثر ہوتا ہے اور بات چیت محض ایک زبردستی کی مشق بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کے برعکس، جب ہم دوسرے کی نجی زندگی کا احترام کرتے ہیں تو بات چیت میں ایک مثبت اور کھلا ماحول پیدا ہوتا ہے، جس سے ہمیں ایک دوسرے کی باتوں کو بہتر طور پر سمجھنے اور اعتماد قائم کرنے کا موقع ملتا ہے۔

خلاصۂ بحث:

اسلامی تعلیمات ہمیں سورۂ حجرات کی روشنی میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو بہتر بنانے کیلئے مؤثر ابلاغ میں مہارت کے اصول اور آداب کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔ قرآن مجید ہمیں بغیر تحقیق کے کوئی بات پھیلانے سے منع کرتا ہے اور یہ اصول بیان کر دیا کہ اگر کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی تصدیق کرنی چاہیے تاکہ کسی غلط فیصلے یا نقصان سے بچا جا سکے۔ اسی طرح بدگمانی کو ایک مہلک اخلاقی برائی قرار دیا گیا ہے، جو سماجی تعلقات کو نقصان پہنچاتی ہے۔ قرآن ہمیں غیر ضروری گمان سے بچنے اور دوسروں کے بارے میں حسن ظن رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ ساتھ ہی یہ اصول بھی بتا دیا کہ ہر انسان کی عزت اور حرمت کا خیال رکھنا اسلامی ابلاغ کا لازمی جز ہے۔ قرآن میں کہا گیا کہ کسی کا مذاق نہ اُڑایا جائے اور نہ ہی برے القاب سے پکارا جائے، کیونکہ یہ رویہ سماجی ہم آہنگی کو متاثر کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم طعنہ زنی اور دوسروں کی تحقیر کرنے سے روکتا ہے، کیونکہ یہ رویہ معاشرتی تعلقات کو خراب کرتا ہے اور دوسروں کے جذبات کو مجروح کرتا ہے۔ کسی کو ایسا نام دینا جو اس کے لیے توہین آمیز ہو، قرآن کے مطابق گناہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے برے ناموں کو بدلنے کی ہدایت فرمائی تاکہ لوگوں کی عزت محفوظ رہے۔ قرآن نے واضح الفاظ میں کسی کی نجی زندگی میں مداخلت اور بلاوجہ تجسس کرنے سے روکنے کا اصول بتا دیا ہے، کیونکہ یہ برائی شک و شبہات کو جنم دیتی ہے اور معاشرتی فساد کی وجہ بنتی ہے۔ مختصر یہ کہ اسلامی تعلیمات ہمیں سچائی، تحقیق، عزت و وقار، رواداری اور باہمی حسن سلوک پر مبنی ابلاغ کی تلقین کرتی ہیں اور دراصل یہ ایک مؤثر ابلاغ کے اہم ترین عناصر ہیں۔ ایک پرامن معاشرے کی تعمیر کیلئے ان اصول و آداب کو ابلاغ میں اپنانا نہایت ضروری ہے اور اس سے تعلقات میں بھی بہتری آتی ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا اور خوشنودی کا باعث بھی بنتا ہے۔

تجاویز و سفارشات:

- قرآن کریم کے تحت بیان کردہ ابلاغی اصول و آداب کو جدید مواصلاتی ٹیکنالوجیز جیسے: سوشل میڈیا، ویڈیو کانفرنسنگ وغیرہ کے ساتھ باہم مربوط کیا جا سکتا ہے اور ابلاغ کے نئے ماڈلز کی تشکیل کے لیے قرآن کی تعلیمات کے عملی اطلاق کو یقینی بنایا جا سکتا ہے۔
- سورۂ حجرات کی روشنی میں اخلاقی اصولوں کا مزید تجزیہ کیا جا سکتا ہے کہ کس طرح یہ اصول روزمرہ کی زندگی میں فرد کی ذاتی اور اجتماعی ابلاغ کو بہتر بناتے ہیں۔ تحقیق میں ان اصولوں کے سماجی اثرات کا جائزہ بھی لیا جا سکتا ہے۔

- سورۂ حجرات میں جن ابلاغی اصولوں کا ذکر ہے، ان کا موازنہ مختلف ثقافتوں اور معاشرتی نظاموں سے کیا جاسکتا ہے تا کہ اس بات کا تعین کیا جاسکے کہ یہ اصول مختلف معاشروں میں کس طرح کے رد عمل پیدا کرتے ہیں اور ان کا اثر معاشرے پر کتنا گہرا ہوتا ہے۔
- تعلیمی اداروں میں قرآن و حدیث کی بنیاد پر ابلاغی اصولوں و آداب کی باقاعدہ تربیت دی جائے تا کہ طلباء اور افراد کو اس کی اہمیت کا شعور ہو اور وہ اسے عملی زندگی میں استعمال کر سکیں۔
- ابلاغ میں زبان کے علاوہ غیر زبانی(Non-verbal)پہلو بھی اہمیت رکھتے ہیں جیسے جسمانی زبان(Body language)اور آنکھوں کا رابطہ(Eye contact)۔ان پہلوؤں کو بھی سورۂ حجرات کی روشنی میں مزید تحقیق کا حصہ بنایا جاسکتا ہے تا کہ ان کے اثرات کو بہتر طور پر سمجھا جاسکے۔
- مدارس اور یونیورسٹیز کے طلبہ وطالبات کی تعمیر شخصیت کیلئے مؤثر ابلاغ کے اصول وآداب کا نصاب تیار کیا جاسکتا ہے۔

حوالہ جات:

1 محمد جمال الفار، **معجم المصطلحات الاعلامیہ**،(عمان: دار اسامہ، 2014ء)، ص 7-

2 لوییس معلوف، **المنجد**(عربی اردو)، مترجم: مولانا ابو الفضل عبد الحفیظ،(ناشر: خزینہ علم وادب)، ص 70-

3 **دی انسائیکلوپیڈیا امریکانہ**، کمیونیکیشن،(نیویارک، شکاگو، 1985ء)، 322/7 تا 332-

4 محمد شاہد حسین، **ابلاغیات**،(دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 2004ء)، ص 2-

5 الراغب، الاصفہانی، ابو القاسم، الحسین بن محمد، **المفردات فی غریب القرآن**،(بیروت: نزار مصطفی الباز)، 76/1-

6 سورۃ الحجرات 06:49-

7 الرازی، فخر الدین ابن العلامہ ضیاء الدین، **تفسیر کبیر**،(بیروت: دار الفکر، اشاعت اول، 1981ء)، 176/8-

8 مسلم بن الحجاج، القشیری، **صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی**، مترجم: علامہ وحید الزمان،(مکتبہ اسلامیہ، اشاعت اول، 2010ء)، ص 28، رقم الحدیث: 7-

9 سورۃ الحجرات 12:49-

10 الطبری، محمد بن جریر، **تفسیر طبری من کتابہ جامع البیان عن تاویل آیات القرآن**،(بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، اشاعت اول 1994ء)، 304/22-

11 سورۃ الحجرات 11:49-

12 الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، **احیاء علوم الدین**،(بیروت: الثقافۃ الاسلامیہ، 1356ھ)، 207/3-

13 الطبری، محمد بن جریر، **تفسیر طبری من کتابہ جامع البیان عن تاویل آیات القرآن**،(بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، اشاعت اول 1994ء)، 366/21-

14 سورۃ الحجرات 11:49-

15 ابن عاشور، محمد الطاہر، **تفسیر التحریر والتنویر**،(تیونس: دار التونسیہ، 1984ء)، 475/23-

16 ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، الدمشقی، **تفسیر القرآن العظیم**،(بیروت: مؤسسہ قرطبہ، اشاعت اول، 2000ء)، 154/13-

17 سورۃ الحجرات 11:49-

18 الطبری، محمد بن جریر، **تفسیر طبری من کتابہ جامع البیان عن تاویل آیات القرآن**،(بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، اشاعت اول 1994ء)، 172/26-

19 جودی کلرک اور دیگر، Cognitive Empathy vs. Emotional Empathy، 4 فروری 2025ء، بحوالہ https://www.verywellmind.com/cognitive-and-emotional-empathy-4582389

20 سورۃ الحجرات 12:49-

21 الطبری، محمد بن جریر، **تفسیر طبری من کتابہ جامع البیان عن تاویل آیات القرآن**،(بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، اشاعت اول 1994ء)، 85/7-

22 الرازی، فخر الدین ابن العلامہ ضیاء الدین، **تفسیر کبیر**،(بیروت: دار الفکر، اشاعت اول، 1981ء)، 188/14-